# سوزشِ دل سے خیالِ گرم لکھنے والا دانشور

ڈاکٹر سعادت سعید

ABSTRACT:

Farigh Bukhari was an intellectual of his own merit. He felt that the prevalent political and social system in his country was not working smoothly, as due to it, his fellow countrymen were facing deep troubles. He wrote poetry and prose having tinge of his sensitive heart. Because of his revolutionary ideas he never remained in the good books of the dictatorial powers. He wrote poetry and prose for the guidance of people around him. His innovative aptitude forced him to write poetry in a new key. The writer of this article has analyzed his thoughts through his rational approach. He found that Farigh Bukhari always hankered after the concepts of classless society for the benefits of humanity facing severe hardships.

قیام پاکستان کے ساتھ ہی ترقی پسند فکر اور کمیونسٹ فکر کو طبقاتی سماج کے تسلسل کے لیے سب سے بڑا خطرہ قرار دے کر اس پر قدغنیں لگانے کے سلسلے شروع ہوئے۔یعنی مارشلائوں کو تو ہمیشہ کھلی چھٹی رہی اور پاکستانی عوام طبقاتی نظام کی چکیوں میں بری طرح پستے چلے گئے۔طبقاتی نظام اور سامراجی مقاصد کو پورا کرنے کے لیے قائم ہونے والی عوام دشمن حکومتوں نے پاکستان کے ہرنام نہاد عوامی اور غیر عوامی عہدوں میں عوامی استحصال پر یوں کمر بستہ رکھی کہ انہیں ملک کو توڑنے میں بھی کوئی عار محسوس نہ ہوئی۔ایسے میں ترقی پسند تحریک سے وابستہ طبقاتی معاشی نظام کے خاتمے اور اس کی جگہ مساوات پر مبنی منصفانہ معاشی نظام کا قیام چاہنے والے منجملہ ترقی پسندوں کے ایک بڑی شخصیت فارغ بخاری کی بھی رہی ہے کہ انہوں نے ترقی پسند سوچ پر مسلسل قدغنوں اور اس کے خلاف استعمال ہوتے پے در پے ناکامیوں کے نعراتی جبر میں اپنی جدو جہد جاری رکھی۔پاکستان میں سبط حسن، ممتاز حسین، احمد ندیم قاسمی، فیض احمد فیض، حبیب جالب اور فارغ بخاری وغیرہ نے ترقی پسند سوچ پر سیاسی و تعزیراتی دبائو کے باوجود عوامی استحصال پر مبنی نظام کی تبدیلی کے نعرے بلند کیے۔

میں نے جنوری ۱۹۸۲ء میں اخبار جنگ لاہور کے لیے فارغ بخاری کا ایک انٹرویو لیا تھا اس میں قتیل شفائی اور حسن رضوی بھی شریک تھے۔میں نے ان کا تعارف کرواتے ہوئے لکھا تھا:

’’فارغ بخاری کی ابتدائی زندگی ان کے تعلیمی کیریئر کی تکمیل کے لئے ساز گار نہ تھی اس کے باوجود انہوں نے ذاتی محنت اور لگن کی بدولت اردو ادب کی تاریخ میں نمایاں مقام حاصل کیا۔ شعر و شاعری سے ان کی دلچسپی بچپن ہی سے تھی انہوں نے افسانے بھی لکھے ہیں تنقید بھی کی ہے اور ترجمے بھی سب سے پہلے ’’عورت کا گناہ‘‘ کے نام سے ان کی افسانوں کا ایک مجموعہ چھپا

جو مقصدی افسانوں پر مشتمل تھا۔ ’’زیرو بم‘‘ کے نام سے نظموں اور غزلوں پر مشتمل ان کا ایک شعری مجموعہ بھی تقسیم کے بعد زیور طبع سے آراستہ ہوا۔ ’’خوشبو کا سفر‘‘، ’’شیشے کا پیرہن‘‘، ’’پیاسے ہاتھ‘‘ اور’’غزلیہ‘‘ بھی ان کے اشعار پر مشتمل مختلف مجموعے ہیں انہوں نے خاکے بھی لکھے ہیں جو دو مجموعوں کی صورت شائع ہو چکے ہیں۔ فارغ بخاری نے رضا ہمدانی کے ساتھ مل کر خوشحال خاں خٹک اور رحمان بابا کی شاعری کے منظوم اردو تراجم بھی کئے ہیں اور اردو میں پشتو شاعری کی تاریخ بھی لکھی ہے۔ ان کے علاوہ پٹھانوں کے رومان اور پشتو ڈراموں پر مشتمل دو اور مشترکہ کتابیں بھی ان کی علمی اور ادبی صلاحیتوں کی خبر دیتی ہیں۔ انہوں نے اپنے پرچے سنگ میل کا سرحد نمبر بھی نکالا ہے اور پٹھانوں کے رسوم و رواج پر مشتمل ایک تحقیقی مقالہ بھی لکھا ہے۔(۱(

فارغ بخاری نے سوالوں کے جواب میں بتایا کہ خاطر غزنوی، ایوب صابر، سید انوار الحق وغیرہ نے بہت صوبہ سرحد کے حوالے سے عمدہ کام کیا ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ وہ ذاتی طور پر تعصب سے بالاتر ہیں ان کی کتاب ’’ادبیات سرحد‘‘ جو سرحد کے ادبا اور شعرا کا تذکرہ ہے اس میں سرحد کے تقریبا تمام علاقوں کے ادیبوں شاعروں اور صحافیوں کا ذکر ہے۔(۲ (

فارغ بخاری نے با اصرار یہ کہا:

’’ شاعری میں افسانہ نگاری سے بھی پہلے کر رہا تھا یہ اتفاق کی بات ہے کہ سب سے پہلے میرے افسانوں کا مجموعہ شائع ہوا۔ میرا ذہن تنوع پسند ہے۔ شاعری، خاکہ نگاری، تنقید، افسانہ نگاری اور تراجم سے مجھے دلچسپی ہے اور جس قسم کا جذبہ اور خیال میرے اندر موجزن ہوتا ہے میں اسے کے مطابق کسی ادبی صنف کو اپنے لئے منتخب کر لیتا ہوں۔‘‘ (۳(

ان کا کہنا تھا کہ انہیں احساس ہے کہ جدید اردو افسانہ بہت آگے نکل چکا ہے وہ اس کے ہم رکاب نہیں چل سکتے۔فارغ بخاری کی کتاب غزلیہ میں غزل کے سلسلے میں کچھ ہیئتی تجربے موجود ہیں

’’اس میں ایک مصرعے کی غزل بھی ہے اور ڈیڑھ ڈیڑھ مصرعے کی بھی ایک شعر کی غزل بھی ہے اور مختلف طور میں بھی ایک غزل ہے۔ اسے آزاد غزل بھی کہا جا سکتا ہے۔‘‘ (۴(

میری اس وضاحت پر کہ مظہر امام کا کہنا ہے کہ آزاد غزل کا آغاز انہوں نے کیا ہے فارغ بخاری نے دوٹوک انداز سے بتایا تھا کہ ان کامجموعہ ۷۹ء میں چھپا ہے’’ میری تحقیق ایسی نہیں ہے کہ میں بتا سکوں کہ آزاد غزل کا آغاز کس نے کیا تھا۔‘‘(۵(

ترقی پسند تحریک کے بارے میں انہوں نے وضاحت کی کہ ادب کو تحریک کی ضرورت نہیں ہوتی وقتی طور پر یہ تحریک وجود میں آئی لیکن یہ ذہنوں میں آج بھی موجود ہے۔فارغ بخاری کا خیال تھا کہ ہر تحریک میں ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں کچھ لوگ کسی تحریک میں مصلحتاً آ جاتے ہیں جو تحریک کے اصولوں پر داخلی طور پر یقین نہیں رکھتے۔۶

فارغ بخاری دوٹوک انداز میں اس امر کا اظہار کرتے تھے کہ وہ جدید تر پود اور نئے طرز احساس کے حامل شعرا کے قائل ہیں جو شعرا شاعری میں نئے تجربے کر رہے ہیں یہاں تک کہ نثری

نظم لکھ رہے ہیں وہ ان کے تجربات کے بھی خلاف نہیں ہیں۔ فارغ بخاری اس امر پر واضح تھے کہ انہوں نے بھی دیگر شعرا کے اثرات قبول کیے ہیں کیونکہ:

''ہر شاعر کسی نہ کسی سے متاثر ہوتا ہے میرا خیال ہے کہ اگر حالی مسدس نہ لکھتے تو اقبال بھی شکوہ یا جواب شکوہ نہ لکھ سکتے۔ فیض صاحب غالب سے متاثر ہیں اور غیر شعوری طور پر اور بھی بہت سارے شاعروں سے '' (۷(

فارغ بخاری کا نظریہ شعر یہ تھا کہ زندگی کے حقائق اور سچائیاں شعر کی بنیاد ہونی چاہئینوہ عشق و محبت کو بھی زندگی سے باہر نہیں جانتے۔ وہ اپنی مقصدی شاعری کے بارے میں کہتے ہیں:

''شعور ایک دن میں پیدا نہیں ہوتا گردوپیش کے حالات سے آدمی بہت کچھ سیکھتا ہے مجھے شروع ہی سے غلامی سے نفرت تھی اور میں انقلابی شاعری خصوصا جوش کی انقلابی شاعری کو بہت پسند کرتا تھا۔ یہ سفر میں نے حالات ہی کے پس منظر میں طے کیا۔''(۸(

فارغ بخاری کی غزلوں کے یہ اشعار ملاحظہ ہوں:

فارغ بخاری پشاور میں دائرہ ادبیات کو پروگریسو سمجھتے تھے انہوں نے ذہنوں کی بہت تربیت کی۔ وہ خود اس کی پیداوار تھے۔البتہ " اردو سبھا '' کو وہ اس حوالے سے تحسین کی نظر سے نہیں دیکھتے تھے۔ میرے اس سوال کے جواب میں کہ '': آپ کے ذہن میں پشتو ادب کے تراجم کا خیال کیسے پیدا ہوا'' فارغ بخاری نے کہا:

'' مجھے برصغیر کے بہت سے شہروں میں رہنے کا اتفاق ہوا۔ مجھے یہ دیکھ کر بہت افسوس ہوتا تھا کہ بہت سے پڑھے لکھے حضرات خوشحال خاں خٹک اور رحمان بابا کی شاعری سے آگاہ نہیں تھے۔ وہ کہتے تھے یہ کون لوگ ہیں میرے ذہن میں ان کے تراجم کا خیال اسی لئے پیدا ہوا کہ میں کم از کم اردو داں طبقے کو ان عظیم شعرا کے کلام سے کسی حد تک روشناس کروائوں... ہر قسم کے لوگ ہر جگہ ہوتے ہیں کچھ لوگ ہوتے ہیں نہ خود کام کرنا چاہتے ہیں اور نہ ہی دوسروں کا کام انہیں پسند آتا ہے ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ ہمارے ہاں ہندکو زبان ہے مقامی لوگ ہمیں ہندکی کہتے ہیں اور پنجابی والے ہمیں پختون کہتے ہیں۔ ان میں سے کچھ باشعور لوگ ہمارے کام کو پسند کرتے رہے اور کچھ یہ بھی کہتے رہے کہ انہیں کیا حق ہے کہ یہ پشتو پر کام کریں۔ اپنے ہندکو کام پرفارغ بخاری کو فخر تھاانہوں ہندکو رائٹرز ایسوسی ایشن بنائی اس حوالے سے سی حرفی جو ہندکو میں زیادہ مقبول تھی اسے فروگ ملا علاوہ ازیں اس تنظیم کے اجلاس میں پیش ہونے والے افسانے، غزلیں، نظمیں، ڈرامے اور تنقیدات نے ہند کو ادب کو آگے بڑھانے کا کام کیا۔فارغ بخاری کا خیال تھا کہ (ضیا ء الحق کے دور میں)'' اکادمی ادبیات ادیبوں کی بیعت لینے کے لئے ہے ہم اکادمی کے جلسے میں نہیں گئے ادبی اداروں کو ادب کی خدمت کرنی چاہئے جہاں تک رائٹرز گلڈ کا تعلق ہے یہ ادیبوں کی ٹریڈ یونین ہے اسے ادیبوں کے حقوق کے تحفظ کے سلسلے میں ہمہ وقت چوکس رہنا چاہئے۔''(۹(

خیبر پختون خوا (کہ جو کبھی صوبہ سرحد کہلاتا تھا) کے اردو خاکہ نگار وں میں سر فہرست فارغ بخاری کا نام ہے علاوہ ازیں خاطر غزنوی، تاج سعید، ایوب صابر، رحیم گل، شوکت واسطی اور

ڈاکٹر ظہور احمد اعوان وغیرہ نے خاکہ نگاری کے فروغ میں اہم کردار ادا کیاہے۔ فارغ بخاری کی خاکہ نگاری کے بارے میں کہا گیا ہے:

’’فارغ بخاری ایک سچے اور کھرے ادیب، محقق اور بلند پایہ نثر نگار ہیں، وہ انقلاب دوست شعرا کی صف میں آگے کھڑے رہنے والے شاعر ہیں۔ادب کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جس میں فارغ بخاری فوقیت کے مقام پر فائز نہیں۔ویسے تو فارغ بخاری نے تقریباً تما م اصنافِ ادب میں اپنا لوہا منوایا ہے۔لیکن فنِ خاکہ نگاری میں اپنی صلاحیتوں کا اعتراف برِ صغیر پاک و ہند کے اردو دان طبقے سے کرایا ہے۔جس کی بدولت وہ ادبیاتِ سرحد کی ایک پہچان بن گئے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ خاکہ نگاری کے فن پر قلم اٹھانے والا ناقد فارغ بخاری کو کسی بھی صورت نظر انداز نہیں کرسکتا۔ فارغ بخاری کے خاکوں کے دو مجموعے شائع ہوئے ہیں۔پہلے مجموعے کا نام ’’البم رکھا گیا جو ۱۹۷۸ء میں زیورِ طبع سے آراستہ ہوا۔دوسرا مجموعہ جو چار سال بعد اشاعت پذیر ہوا اس کا عنوان ’’دوسرا البم‘‘ رکھا گیا۔ ’’البم ‘‘پہلا مجموعہ ۲۱ خاکوں پر مشتمل ہے۔ ‘‘ (۱۰(

’’ دوسرا البم‘‘ میں رحیم گل کے بارے میں لکھتے ہیں :

’’اس منہ زور گھوڑے کو قابوکرنے میں ہماری نئی بھابھی کی ہنر مندی کا بھی بڑا عمل دخل معلوم ہوتا ہے، کیونکہ یہ شخص جس طرح ادب کی کسی ایک صنف پر قناعت نہیں کرسکا اور افسانے، ناولٹ، ناول، ڈرامہ، خاکے، تنقید ہر صنف پر ہاتھ مارنے کی کوشش کی، اسی طرح جنسی معاملے میں بھی وہ قناعت پسند کبھی نہیں رہا، دوسری شادی کرنے کے بعد بھی۔۔بلکہ اس وقت تو فلمی دنیا اپنانے کے بعد اسے زیادہ کھلا میدان مل گیا۔‘‘ (۱۱(

فارغ بخاری کہتے ہیں:

’’ قلمی خاکوں کے سلسلے میں ہر فنکار کے خاکے کو عنوان دینے کاجو بکھیڑا میں نے پالا (بعض ہوشمند خاکہ نگار اس جھنجھٹ میں نہیں پڑے ان کے نام دے کر مفت کی مغز ماری سے بچ گئے) اس سے کچھ خاکوں کی سرخی سوچنے میں خاصی کوفت ہوئی یعنی خاکہ لکھ لیا اور کوئی عنوان لگا ہی نہیں کھاتا۔‘‘ (۱۲(

فارغ بخاری کے بارے میں لکھا گیا ہے:

’’شاعر، ادیب صحافی اور کالم نگار ۱۱نومبر ۱۹۱۷ء کو پشاور میں پیدا ہوئے۔اصل نام احمد شاہ ہے۔ صرف تیرہ سال کی عمر میں ”نوجوان بھارت سبھا“ میں شمولیت اختیار کی جن کے رہنما بھگت سنگھ، اشفاق کاکوروی، چندر شیکھر آزاد جیسے انقلابی لوگ تھے۔ انقلابی تحریکوں میں حصہ لینا اردو شاعری اور داستانیں مثلاً امیر حمزہ اور طلسم ہوشربا کا مطالعہ کرنا ان کی نوجوانی کے یہی دو مشاغل تھے۔ فارغ بخاری بنیادی طور پر شاعر اور سکالر تھے۔ انجمن ترقی پسند مصنفین کے بانیوں میں سے تھے۔ انہوں نے رضا ہمدانی کے ساتھ مل کر ماہنامہ ”سنگ میل“ جاری کیا تھا۔ پشتو زبان و ادب و ثقافت کے فروغ کے لیے بھی دونوں نے مل کر کافی کام کیا۔ اور کتابیں تصنیف کیں۔ جن میں ادبیات سرحد، پشتو لوک گیت، سرحد کے لوک گیت، پشتو شاعری اور پشتو نثر شامل ہیں۔ فارغ بخاری کی شاعری کے سات مجموعے شائع ہوئے۔ زیروبم، شیشے کے پیراہن،، خوشبو کا سفر، پیاسے ہاتھ،

آئینے صدائوں کے، غزلیہ، بچھڑا سا دل، خان عبدالغفار خان کی سوانح عمری(باچا خان کے نام سے لکھی۔ اپنے ہم عصروں کے شخصی خاکے "البم" کے نام سے تحریر کیے ( صنوبر کاکا، امیر حمزہ خان شنواری، پطرس بخاری سعادت حسن منٹو، فیض احمد فیض، احمد ندیم قاسمی، ضیاء جعفری، مرزا ادیب، سجاد ظہیر، رضا ہمدانی، احمد فراز، کشور ناہید، محمد طفیل، شوکت واسطی، خاطر غزنوی، زیتون بانو، عتیق انور، مسعود انور، بشیر موجد، قتیل شفائی، شاد امرتسری۔یہ خاکے دلچسپ عنوانونسے لکھے گئے ہیں مثلا''کیمیا گر ''(حمزہ خان شنواری)، صحیح بخاری، (پطرس بخاری)، ناخن کا قرض، (سعادت حسن منٹو)، فرشتہ (رضا ہمدانی) کمپیوٹر (شوکت واسطی) )۔ البم، یونیورسٹی بک ایجنسی پشاور، سن ندارد، دوسرا البم، مکتبہ ارژنگ پشاور، ۱۹۸۲ء'' مشرقی پاکستان کا رپور تاژ "برات عاشقاں " کے نام سے لکھا۔ آپ کو پشتو شاعری پر حبیب بنک ادبی انعام ملا، ۱۹۹۳ء مینصدارتی ایوارڈ برائے حسن کارکردگی عطا ہوا۔ فارغ بخاری نے۱۴ اپریل۱۹۹۷ء کو وفات پائی۔''(۱۳(

اور یہ بھی کہ:

'' فارغ بخاری جس اسکول میں پڑھتے تھے اس کے پرنسپل خاکسار تحریک کے بانی علامہ عنایت اللہ مشرقی تھے، ان کی تربیت علامہ عنایت اللہ مشرقی جیسی قد آور شخصیت کے زیرِ سایہ ہوئی تھی۔ابتدا ہی سے ادب کی ترقی پسند تحریک سے وابستہ رہے اور اس سلسلے میں انہوں نے قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں...ہندکو رائٹرز سوسائٹی جب قائم ہوئی تو فارغ بخاری کو اس سوسائٹی کا پہلا صدر چنا گیا۔ انہوں نے انجمن ترقی پسند مصنفین صوبہ سرحد، عالمی امن کمیٹی کے سیکریٹری کے علاوہ پاکستان رائٹرز گلڈ کی مرکزی کمیٹی کے رکن کی حیثیت سے بھی فرائض انجام دئیے۔ انہوں نے رضا ہمدانی کے ہمراہ پشتو زبان و ادب اور ثقافت کے فروغ کے لئے بیش بہا کام کیا۔ادبیات سرحد، پشتو لوک گیت، سرحد کے لوک گیت، پشتو شاعری پر بھی ان کا کام مشعل راہ ہے۔پشتو ڈراما، ادبیات سرحد، ہندکو زبان کا ارتقا، اقبال پر خوشحال کا اثر جیسے مو ضوعات پر ان کا کام دور حاضر کے محققوں کے لیے نعمت سے کم نہیںہے۔ '' (۱۴(

بیسویں صدی کے نصف سے قبل وجود میں آنے والاپاکستان درآمدی ثقافتی روایات کا خصوصی مرکز رہا ہے۔اس کی مذہبی بنیادوں کی وجہ سے وہ تمام روایات کہ جو یہاں کے مقامی عوام اور مہاجر آبادیوں کے ایمان و اعتقادات کا حصہ تھیں اس کا مقدر قرار پائیں۔اسی طرح برصغیر میں موجود کئی سیاسی تحریکوں کی باقیات و صالحات بھی اس نوزائیدہ کو چوسنیوں کی صورت ملیں۔ قرار داد مقاصد نے اس مملکت کے لیے وہ رستہ طے کر دیا کہ جس کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ وہ کئی ہزار سال کے دائمی دائرتی چکر میں چلنے والی دانش کا امین تھا۔

علم و دانش کی جس کولھو بیلی سے ہمارے ملک کے عوام کا سابقہ پڑا اس کے بارے میں کسی دردمند دل رکھنے والے دانشور کا یہ جملہ تاریخی حیثیت کا حامل ہے کہ اسلام کو عرب ملوکیت نے خراب کیا ہے۔خلافت کے چند سالہ قیام کے سلسلے کو ملوکیت کے تابع ہوتے دیر نہیں لگی تھی لیکن اسی ملوکیت کے بنائے ہوئے قوانینی سلسلوں کو ملوکوں کے مفادات کے تحفظ کے لیے استعمال کیا جا تا رہا یوں یہ فاتحینِ عوام و ارض اللہ کے محافظ قرار پائے۔یعنی

سپاہ و میر سپاہ باغ باغ ہینلیکن
بہیر پھرتی ہے اور ہاتھ ملتی جاتی ہے (۱۵(
) الطاف حسین حالی (

یہ بہیر عوام اور ان کے غلام پیشہ آبا و اجداد تھے۔یہ عوام پاکستان کا بھی حصہ بنے اور اپنے سامنے حکمرانوں کی عصری ضرورتوں کے تحت ان صحیفوں کی نت نئی تعبیروں پر انگشت بدنداں رہے کہ جن کے بارے میں منبر و محراب سے یہ خوش خبریاں دی جاتی تھیں کہ یہ ان کی نجات کا وسیلہ ہیں۔علامہ اقبال نے قرآن پاک کے بارے میں واضح اور کھری بات کہی تھی کہ یہ بے سازو برگ بندوں کا دستگیر ہے۔ علامہ اقبال، حسرت موہانی (اہل ہند) اور مولانا بھاشانی (ساکن مشرقی بنگال) مذہب کے عوام دوست کردار کو دل و جان سے تسلیم کرتے تھے ان کے یہ سلسلے براستہ عبید اللہ سندھی شاہ ولی اللہ تک پہنچتے بھی نظر آئے اور یوں ارتفاقات معاشیہ کی اہمیت کو تسلیم کیا جانے لگا۔اس کی ایک نئی صورت نئے عہد میں علامہ اقبال کے رسالے '' علم الاقتصاد'' کی اشاعت سے سامنے آئی۔

البتہ اجمال اس تفصیل کا یہ ہے کہ تمام نظاموں کی بنیاد میں معاشی رشتوں کا ایک پیچیدہ اور گونا گوں سلسلہ موجود ہوتا ہے اور اسی بنیاد پر معاشروں میں طبقاتی حوالے نمایاں ہوتے ہیں ایسے میں مارکسزم نے اس بات کا کھل کر اظہار کیا کہ پرولتاری آمریت یعنی عوامی حکومت ہی ملوکیت، جاگیر داری اور سرمایہ داری سے نجات کا وسیلہ بن سکتی ہے۔اس نظریئے کا عملی اظہار انقلاب روس کی صورت سامنے آیا، جسے سرمایہ دارانہ سامراجیت نے زیادہ دیر پنپنے نہ دیا اور تاریخ میں اسے بھی ایک عظیم ناکامی کی طرح ملاحظے کے لیے پیش کر دیا گیا۔ یہ ناکامی بعد ازاں باوجود ثقافتی انقلاب کے لیے سر توڑ کوششوں کے، مابعد مائو چین میں بھی اپنا رنگ دکھا چکی ہے، یوں انقلاب فرانس کی ناکامی کے تسلسل میں ہونے والی ان ناکامیوں پر مغربی تھیوری بازوں کا جشن دانش کا کیف و سرور ہمارے دانشوروں کی رگ و پے میں بھی سرایت کر چکا ہے۔

فارغ بخاری کو یہ کریڈٹ بھی جاتا ہے کہ انہوں نے اسی کی دہائی میں انگلستان میں ترقی پسند تحریک کے احیا کا ڈول ڈالا اور تب سے اب تک اپنی تعداد کے کم ہونے کے باوجود ترقی پسند دانشوروں نے ملوکی اور سامراجی دانش کے خلاف اپنی کوششوں کو جاری رکھا ہوا ہے۔مقاصدی آئین نوازوں نے ایک معاشی نظام کو مذہبی نظام سے ٹکرانے کے منطقی مغالطے کو تا حال جاری رکھا ہوا ہے اور وہ اپنے مستند اکابرین کے ادب میں موجود معاشی انصاف کے قیام کی تمنائوں کو بھی ان کے تضادات کے بطور پیش کرنے میں کوئی شرم محسوس نہیں کرتے۔ فارغ بخاری نے اپنے نظریات کو اپنی شاعری میں بھی بخوبی پیش کیا ہے۔ان کے ذیل کے اشعار ملاحظہ فرمائیں:

کچھ اب کے بہاروں کا بھی انداز نیا ہے
ہر شاخ پہ غنچے کی جگہ زخم کھلا ہے
دو گھونٹ پلا دے کوئی مے ہو کہ ہلاہل
وہ تشنہ لبی ہے کہ بدن ٹوٹ رہا ہے

کل اس کو تراشو گے تو پوجے گا زمانہ
پتھر کی طرح آج جو راہوں میں پڑا ہے(۱۶(

............

جب درد جگر میں ہوتا ہے تو دوا دیتے ہیں
رک جاتی ہیں جب نبضیں تو دُعا دیتے ہیں
کوئی پوچھے تو سہی اِن چارہ گروں سے فارغ
جب دل سے دھواں اُٹھے تو کیا دیتے ہیں
فقیہہِ شہر کا سکہ ہے کھوٹا
مگر اس شہر میں چلتا بہت ہے(۱۷(

............

تری خاطر یہ فسوں ہم نے جگا رکھا ہے
ورنہ آرائشِ افکار میں کیا رکھا ہے
ہے ترا عکس ہی آئینۂ دل کی زینت
ایک تصویر سے البم کو سجا رکھا ہے
برگ صد چاک کا پردہ ہے شگفتہ دل سے
قہقہوں سے کئی زخموں کو چھپا رکھا ہے
اب نہ بھٹکیں گے مسافر نئی نسلوں کے کبھی
ہم نے راہوں میں لہو اپنا جلا رکھا ہے
کس قیامت کا ہے دیدار ترا وعدہ شکن
دلِ بے تاب نے اک حشر اٹھا رکھا ہے
کوئی مشکل نہیں پہچان ہماری فارغ
اپنی خوشبو کا سفر ہم نے جدا رکھا ہے(۱۸(

............

دیکھ کر اس حسین پیکر کو
نشہ سا آ گیا سمندر کو
ڈولتی ڈگمگاتی سی ناؤ
پی گئی آ کے سارے ساگر کو
خشک پیڑوں میں جاں پڑ گئی
دیکھ کر روپ کے سمندر کو
کوئی تو نیم وا دریچوں سے
دیکھے اس رتجگے کے منظر کو
ایک دیوی ہے منتظر فارغ

وا کئے پٹ سجائے مندر کو(۱۹(

رشید امجد کا غزلیہ میں موجود فارغ بخاری کے تجربوں کے بارے میں کہنا ہے :’’ تجربہ برائے تجربہ وقتی طور پر تو چونکا سکتا ہے مگر اپنی روایت نہیں بنا پاتا۔محض تجربے کی حد تک آزاد غزل کے نمونے سامنے آ چکے ہیں مگر انہوں نے سنجیدگی کی بجائے ایک مضحکہ خیز صورت کو جنم دیا ہے۔فارغ بخاری کے تجربے محض تجربے نہیں بلکہ ایک بھر پور تخلیقی عمل کا مکمل فنی اظہار ہیں۔اس لیے یہ تجربے تکنیک اور ہیئت کی سطح سے تخلیقی رفعتوں کو چھوتے ہیں، متوجہ کرتے ہیں اور متواتر فکر کی دعوت دیتے ہیں۔‘‘ (۲۰(

غزلیہ میں فارغ بخاری نے جو تجربے کیے ہیں ان کی وضاحت یہ ہے: ایک بحر کے مصرعوں کی غزل، مختلف بڑے چھوٹے مصرعوں کی غزل ۲۱، ڈیڑھ مصرعوں کی غزل ۲۲، ایک ہی بحر کے مختلف ردیف قافیہ کے اشعار کی غزل۲۳۔ان کے نمونے ملاحظہ ہوں:

ایک بحر کے مصرعوں کی غزل:

زرد پتوں کو بھی ہے تازہ ہوائوں کی طلب
ہر مسافر اک نئی منزل کا راہی ہے یہاں
جانے کب سے ہوں معلق زندگی کی لفٹ میں
اب زمیں کی بات کرنے سے بھی شرماتے ہیں لوگ(۲۴(

مختلف بڑے چھوٹے مصرعوں کی غزل:

ہر ایک غنچے کو شبنم نے شیش محل دیئے
خوشبوئوں کا ہاتھ ہوا کے ہاتھ میں ہے
کھوٹے سکوں سے تونگر ہو نہیں سکتا کوئی
میرا فن ہے رقیب بیگم کا(۲۵(

ڈیڑھ مصرعوں کی غزل:

وہ خوشبوئیں جو اگی ہیں اداس رستوں میں
بسا لو دل میں انہیں

لغزش پا سے بھی بن جاتے ہیں نقش پا کبھی
آدمی قطرہ کبھی دریا کبھی
)۲۶)

ایک ہی بحر کے مختلف ردیف قافیہ کے اشعار کی غزل:

بلندیوں میں کشش تو بلا کی ہے لیکن
یہ شرط ہے کہ ہم ان سے کبھی اتر بھی سکیں
وہ رہگذر کہ مجھے جس پہ اختیار بھی ہے
مگر میں اس کی اجازت بغیر چل نہ سکوں

بند جب آندھیوں کے ٹوٹ گئے
زندگی بھر کے ساتھ چھوٹ گئے
ڈوبنا ہی مرا مقدر ہے
وہ سمندر ہو یا خلائیں ہوں(۲۷(

غزلیہ نئی نسل کے نام معنون ہے۔اس پر فارغ بخاری نے خود بھی ایک طویل پیش لفظ لکھا ہے۔ علاوہ ازیناعجاز راہی، مرتضے سید نے بھی اس پر اپنی قیمتی آرا دی ہیں۔اعجاز راہی کہتے ہیں’’قافیہ ردیف ایک ایسا قلنچ ہے جس نے فکر کی توقعاتی تخلیق کو ژولیدگی کے سوا کچھ نہیں دیا۔چنانچہ نئی معاشی اور سماجی کمٹمنٹ کی بازیابی کے لیے فارغ نے غزل کے لغوی معانی و مطالب کے پرانے ڈھانچے توڑ پھوڑ کر ایک سرکش تصور قائم کیا ہے۔انہوں نے نہ صرف قافیہ ردیف سے آزاد غزلینکہی ہیں بلکہ بحور اور اوزان کا تختہ بھی الٹ دیا ہے۔‘‘ (۲۸(

فارغ بخاری اپنے تجربات کے بارے میں رقمطراز ہیں:

’’میں نے غزل میں کچھ ہیتی تجربے کرنے کی جسارت کی ہے جو ایک روایت شکن اقدام ہے۔لیکن اسے میری کمزوری کہہ لیجئے کہ نام رکھنے کی اس فرسودہ روایت سے انحراف نہ کر سکا اور مجھے اس کتاب کا نام غزلیہ تجویز کرنا پڑا۔‘‘ (۲۹(

یہ پیش لفظ انہوں نے ۱۹۷۸ء میں لکھا تھا اور اس کتاب کا پہلا ایڈیشن ۱۹۷۹ء میں شائع ہوا تھا۔غزل میں ہیئتی آزادی کے حوالے سے آزاد غزل کا بڑا چرچا رہا ہے۔میں نے ایک مضمون نوے کی دہائی میں لکھا تھا جس کا عنوان تھا ’’طویل نظم اور آزاد غزل ایک پائوں دو کشتیاں‘‘ اس میں ان خیالات کا اظہار تھا کہ :

حلقہ ارباب ذوق کے گزشتہ اجلاس میں فرحت عباس شاہ کی یک نیم طویل نظم ’’ملو ہم سے ‘‘زیر بحث آئی۔ اس کی فنی اور تجرباتی بنت کے سلسلے میں سامعین نے ملے جلے تاثرات کا اظہار کیا۔ ایک جانب سے صدا بلند ہوئی کہ اس نظم میں جھول ہی نہیں، اختصار اور جامعیت ایسی شعری خوبیوں کا بھی فقدان ہے۔ دوسری جانب سے شور اٹھاکہ اس نظم میں موضوعات کی تکرار روا ہے کہ یہ مجموعی قومی بے حسی کے شاخسانے کے طور پر بروئے کار آئی ہے۔ حلقہ ارباب ذوق میں اس قسم کے رعائتی نمبروں کی گنجائش تو نہیں ہوتی تاہم صورت حال کی نزاکتوں کو بھی سامنے رکھنا پڑتا ہے اور اگر کوئی شاعر اپنامخصوص کمرشل رنگ ترک کر کے کمٹمنٹ کی وادیوں میں آئے تو اس کا خیر مقدم کرنا چاہیئے۔ ہمارے ہاں شعر و ادب میں آزادی اور بغاوت کے رسیا فنکاروں کا کبھی گرمجوشی سے استقبال نہیں ہوا۔ ہر دور کے روایت پرستوں نے ایسے لوگوں کو ہمیشہ بے جا طعنوں کا نشانہ بنانے کا جتن کیا۔ میرا جی، ن م راشد، افتخار جالب، ظفر اقبال، انور سجاد اور بہت سے دوسرے زیر عتاب تھے اور آج بھی ان کی خوشبو کی طرح پذیرائی کرنے والے گنتی ہی کے لوگ ہیں۔ سو جو لوگ نئے تجربوں کی دلدلوں میں گھسنے کے لیے بے تاب و بے قرار رہتے ہیں انہیں اپنی شہرت اور ادبی مقام کو دائو پر لگانا پڑتا ہے۔ پہلے فارغ بخاری نے بعد ازاں فرحت عباس نے اس وادی میں قدم رکھا۔ فرحت عباس شاہ نے شاعری سے عزت اور شہرت کمائی ہے۔ اب انہوں نے ادب

کے فرقہ ملامتیہ میں داخل ہونے کا ارادہ کیا ہے۔ ’’محبت گمشدہ میری‘‘ میں شائع ہونے والے اپنے کلام کو انہوں نے آزاد غزلیں قرار دیا ہے۔ یہ غزلیں جس تکنیک میں لکھی گئی ہیں میری ناقص عقل میں اسے معریٰ غزل کی تکنیک قرار دیا جاتا تو زیادہ بہتر تھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ فرحت عباس شاہ نے ردیف اور قافیے کو تو غزل کی سلطنت سے باہر نکالنے کا جوکھم اٹھایا ہے تاہم وزن اور گھسے پٹے موضوعات کی پابندی سے انحراف ان کے لیے معنی خیز نہیں بنا۔ سو یار لوگ ان کی ان غزلوں کو ہم وزن فردیات کے زمرے میں بھی رکھنا چاہتے ہیں۔ ان سے قبل عارف عبدالمتین اپنی فردیات کا مجموعہ لیامباموج میری ورق ورقڈڈڈ کے نام سے شائع کر چکے ہیں۔ نجانے یہ غالب کی جدت تھی یا انتخاب کا کمال کہ ان کے دیوان میں ردیف ن کی غزلیں اس ایک شعر پر مشتمل غزل سے شروع ہو رہی ہیں کہ

لوں وام بخت خفتہ سے یک خواب خوش ولے
غالب یہ خوف ہے کہ کہاں سے ادا کروں

آزاد غزل کے نام سے بظاہر تو یہ تاثر ملتا ہے کہ یہ غزل کی مروجہ پابندیوں کے خلاف کھلا اعلان جنگ ہے تا ہم علی اکبر منصور نے اسے غزل کی مشکل ترین صورت قرار دیا ہے جس میں ارفع شعری وفور اور شدت احساس کار فرما ہے۔ پھر یہ سوال اپنی جگہ قائم رہتا ہے کہ کیا میر، غالب، اقبال، مجید امجد یا کئی دوسرے بڑے شاعروں کی غزلوں میں ارفع شعری وفور اور شدت احساس نہیں ہے ؟ ظاہر ہے ایسا کہنے کی ہمت کوئی شاعری سے نابلد آدمی ہی کر سکتا ہے۔ آزاد غزل کا تشکیلی اصول اگر شدت احساس اور ارفع شعری وفور ہی میں پوشیدہ ہے تو پھر کسی بھی اچھے غزل گو کو آزاد غزل گو کہا جا سکتا ہے۔ فرحت عباس شاہ نے آزاد غزل لکھی ہے یا نہیں اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے اپنے منتشر، ریزہ ریزہ، ٹکڑوں میں منقسم خیالات کو اوزان کے مشکل سلاسل میں جکڑنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ اور وہ اپنے ہی قول سے مطابقت رکھتے ہیں:

اتنے آزاد ہیں کہ گھر میں بھی
سانس تک لے رہے ہیں آہستہ

فرحت عباس شاہ نے رومانوی اور سماجی تجربے پر مشتمل اتنا پاپولر کلام لکھ لیا ہے کہ وہ کم از کم اپنے گھر میں تو ذرا بلند سانس لے سکتے تھے اور غزل کی اس روایت کو کچھ اور آگے لے جا سکتے تھے جو گلفتاب کی دین تھی یعنی معنوی اور داخلی اعتبار سے آزاد غزل کے بعد تکنیکی اعتبار سے آزاد غزل کے دائرے میں شامل ہو سکتے تھے۔ اس ضمن میں آزاد نظم اور نثری نظم کا تجربہ ان کی رہنمائی کر سکتا تھا۔ (۳۰ (

فارغ بخاری نے اپنے تجربوں کے حوالے سے درست نشاندہی کی ہے کہ:

’’اردو زبان کو ابھی ترقی کے کئی مراحل سے گزرنا ہے۔جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں خصوصاً اردو شاعری کا تو سارا اثاثہ ہی غیر ملکی ہے۔تین سو برس میں ہماری شاعری عربی کے طلسم سے رہائی حاصل نہیں کر سکی۔کتنی عجیب بات ہے کہ فارسی عربی الفاظ کی ترکیب تو جائز ہے لیکن فارسی ہندی یا عربی ہندی الفاظ کی ترکیب کو ناجائز سمجھا جاتا ہے۔اسی طرح قافیوں کی خوفناک

پابندیوں اور کئی قسم کی دوسری قیود نے شعرا کا ناطقہ بند کر رکھا ہے۔ لکھنے والے کو عہد جہالت کی ایسی بے شمار ناروا رسمی اور روائتی بندشوں پر اپنی ذہانت کا غالب حصہ بڑی بے دردی سے ضائع کرنا پڑتا ہے اصل موضوع اور بنیادی سوچ گھائل ہو کر دم توڑ دیتی ہے۔اساتذہ کی سند کے بغیر الفاظ کو نئے مفاہیم میں استعمال کرنا جرم سمجھا جاتا ہے۔اور کسی ذاتی مشاہدے اور تجربے کو اپنے انداز سے بیان کرنا بدعت خیال کیا جاتا ہے۔'' (۳۱ )

معاصر شاعروں نے بڑی حد تک زبان کو وسعت دینے اور خیال و فکر کو اورجنل طور پر پیش کرنے لیے فارغ بخاری کی تائید میں بیشتر لا یعنی قیود سے گلو خلاصی کر لی ہے اور شاعر اپنے ما فی الضمیر کو بہتر اور واضح طور پر پیش کرنے لگے ہیں۔انہوں نے فارغ بخاری کی اس بات کو بھی تسلیم کر رکھا ہے کہ سائنس اور ٹکنالوجی سے وابستہ موضوعات کو بھی ان کی تخلیقات میں جگہ ملنی چاہیئے۔اپنے عہد اور عصر کا شعور کا حاصل ہونا علمی طور پر مکمل عصری ہوئے بغیر ممکن نہیں۔


حواشی و حوالے:

)۱( انٹرویو، اخبار جنگ، ادبی صفحہ، جنوری ۱۹۸۲ء

)۲( ایضاً

)۳( ایضاً

)۴( ایضاً

)۵( ایضاً

)۶( ایضاً

)۷( ایضاً

)۸( ایضاً

)۹( ایضاً

)۱۰( فارغ بخاری، البم، پشاور :یونیورسٹی بک ایجنسی، سن ندارد، ص ۷۹

)۱۱( فارغ بخاری، دوسرا البم، پشاور: مکتبہ ارژنگ، ۱۹۸۲ء، ص۱۱۴

)۱۲( سرحد کے خاکہ نگار، مضمون، میاں ہمایوں، تحقیق نامہ، لاہور: جی سی یو، ۲۰۰۹، ص ۷۹

(13) https://ur.wikipedia.org/wiki/%D8%A7%D9%84%D8%A8%D9%85

)۱۴( ایضاً

)۱۵( الطاف حسین حالی، دیوان، کانپور، نامی پریس، ۱۸۹۳ء، ص۱۱۹

(16) https://ur.wikipedia.org/wiki/%D9%81%D8%A7%D8%B1%D8%BA_%D8%A8%D8%AE%D8%A7%D8%B1%DB%8C

(۱۷) ایضاً
(۱۸) ایضاً
(۱۹) ایضاً
(۲۰) فارغ بخاری، غزلیہ، بار دوم، لاہور: خالد اکیڈمی، ۱۹۸۳ء، ص ۷
(۲۱) ایضاً، ص۳۹
(۲۲) ایضاً، ص۶۱
(۲۳) ایضاً، ص۷۱
(۲۴) ایضاً، ص۳۹
(۲۵) ایضاً، ص۴۰
(۲۶) ایضاً، ص۷۱
(۲۷) ایضاً، ص ۷۲
(۲۸) ایضاً، ص ۸
(۲۹) ایضاً، ص ۹
(۳۰) راقم الحروف، ’’آزاد غزل کا تنازعہ‘‘، روزنامہ جہاں نما، ادبی صفحہ، ۲۵ مارچ، ۱۹۹۶ء
(۳۱) فارغ بخاری، غزلیہ، بار دوم، خالد اکیڈمی، لاہور، ۱۹۸۳ء، ص ۱۶

/....../